

# ہماری شاعری

## اہم مباحث

①

فصل اول: اول

### جذبات کی اہمیت اور شعر کی افادیت

شاعری کیا ہے، دلی جذبات کا اظہار  
دل اگر بے کار ہے تو شاعری بیکار ہے  
کیا شعر و شاعری بیکاری کا مشغلہ ہے؟

جذبات کی بدولت ہی دنیا میں رونق اور چہل پہل ہے۔ اگر خوشی، غم، محبت، عداوت، نفرت، ہمدردی وغیرہ یہ سب جذبے نہ ہوں تو دنیا میں ایک سناٹا چھا جائے۔ دنیا کے کسی بھی معاملے کو لے لیجئے اگر جذبات فنا ہو جائیں تو رشتے ٹوٹ جائیں۔ زندگی کی دلچسپیاں مٹ جائیں سوسائٹی اور معاشرے کی بنیادیں ہل جائیں۔ اور اس طرح ہر شے ملیا میٹ ہو کر رہ جائے انسانیت اور حیوانیت کے درمیان ایک دھندلا سا خط فاضل باقی رہ جائے۔ انسانی فضیلت عقل کے ساتھ ساتھ جذبات کی بدولت ہے اور جب یہی جذبات الفاظ کا لباس پہن لیتے ہیں تو شعر کہلاتے ہیں۔ شاعری انسانی جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ جب جذبات کو انسانی زندگی میں اس قدر اہمیت حاصل ہے تو شعر و شاعری بے کاری کا مشغلہ کیسے ہوئے؟

ڈارون کی رائے میں شعر کی ضرورت | مشہور سائنس دان ڈارون جس نے انسان کے بارے میں مسئلہ ارتقاء پیش کیا۔ اسے ابتدائے عمر سے شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی، مگر تحقیق میں پڑ جانے کے بعد اس کے جذبات بھی مردہ ہو گئے جس کے بارے میں اس نے اپنی سوانح عمری میں تفصیل سے لکھا ہے اور شعر کی اہمیت اور موسیقی کی افادیت کے بارے میں کھل کر اظہار کیا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ اگر شعر نہ پڑھے جائیں اور موسیقی نہ سنی جائے تو انسانی دماغ کے بعض حصے بے کار ہو جاتے ہیں اور یوں جذبات کے مٹنے سے خوشی معدوم ہو جاتی ہے۔ مشہور ماہر نفسیات پروفیسر جیمس اس حوالے سے لکھتے ہیں ”ڈارون کے اس بیان سے لوگوں کو سبق لینا چاہیے اور ہر شخص کو کم سے کم دس منٹ روز شعر و شاعری کے لیے وقف کر دینا چاہئیں تاکہ جذبات مردہ ہونے نہ پائیں۔“

یہ باتیں کسی شاعر کی نہیں بلکہ ایک مشہور فلسفی کے غور و فکر کا نتیجہ اور ایک نہایت ہی مشہور سائنس دان کے ذاتی تجربوں کا خلاصہ ہیں۔

اس لیے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ فلسفہ اور سائنس جو شعر کے دشمن ہیں ان کے اقوال سے شعر کو بیکار سمجھنے والوں کی کچھ اصلاح ہو سکے۔ وہ لوگ جن سے یہ صلاحیت چھن جاتی ہے دراصل شعر و شاعری کو بے فائدہ سمجھنے لگتے ہیں۔

شعر کے کچھ فائدے اور نظام تعلیم میں شعر کی جگہ | شعر سے کچھ مالی فائدہ نہیں ہوتا لیکن اگر ذہن کی تیزی، دل کی شگفتگی، روح کی بیداری اور اخلاق کی "استواری کا شمار فائدوں میں ہے تو شعر و شاعری کے مفید ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے۔ شاعری بے حس قوتوں کو چونکاتی ہے۔ سوتے احساس کو جگاتی ہے۔ مردہ جذبات کو جلاتی ہے۔ دلوں کو گرماتی ہے، حوصلوں کو بڑھاتی ہے۔ مصیبت میں تسکین دیتی ہے۔ مشکل میں استقلال سکھاتی ہے، بگڑے ہوئے اخلاق کو سنوارتی ہے۔ اور گرمی ہوئی قوتوں کو ابھارتی ہے۔ اس صورت حال میں اگر کوئی نظام تعلیم اس سے مدد نہیں لیتا تو اس کو کامل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تعلیم کے مقاصد کو سامنے رکھا جائے تو نظام تعلیم میں شعر کی جگہ نکل آتی ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ قوت متحیلہ کی ترقی اور جذبات کی تربیت کا شعر سے کوئی بہت ذریعہ نہیں اور یہ دونوں چیزیں انسانی زندگی میں اتنی اہمیت رکھتی ہیں کہ کوئی صحیح نظام تعلیم انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ زندگی کے ہر شعبے میں قوت متحیلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور معاشرے میں انسانی جذبات کا ہونا لازمی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر حس تیز اور جذبات صحیح نہ ہوئے تو تمام تعلیم بے سود ہے۔ جس کے جیسے جذبات ہوں گے ویسے ہی کام وہ اپنے علم سے لے گا۔

اب کیسی شاعری اور کیسے شاعروں کی ضرورت ہے | انسانی اخلاق کی تکمیل کیلئے شعر و شاعری کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یوں شاعری کو چند جذبات میں محدود کر دینا غلطی ہے۔ تمام انسانی جذبوں کو متحرک رکھنا چاہیے۔ اور اسے محدود نہیں کرنا چاہیے۔ جیسے میر کا یہ شعر

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے  
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

نفس شاعری کے اعتبار سے یہ کوئی عیب نہیں۔ ہاں اگر درد و غم ہی شاعری کا موضوع بن جائے تو قوم میں افسردگی پیدا ہو جائے گی۔ اور اس کی قوت عمل میں کمزوری آجائے گی۔ اس کی وجہ ہمارے شاعروں کا قنوطی رویہ ہے اس کا سبب وہ حالات ہیں جو پیش آئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بد حالی اور تنزلی کا رونا رونے کی بجائے خوشحالی اور ترقی کی باتیں کی جائیں۔ اس لیے اب ضرورت ہے ایسے شاعروں کی جو خود ہنس کر دوسروں کو ہنسائیں۔ جو دلیری اور جانبازی کے جذبات کو بھڑکائیں جو ہمدردی اور رواداری کے خیالات کو ابھاریں اور ملک میں حب وطن اور قوم پرستی کی روح پھونکیں۔

## شعر کی حقیقت اور ہیئت

**شعر کی عروضی اور منطقی تعریف** | اصطلاح علم عروض میں کلام موزوں کو شعر کہتے ہیں۔ اور منطق کی اصطلاح میں وہ کلام جو نفس کی خوشی ورنجیدگی کا باعث ہو، یعنی جس کلام میں اثر ہو یا دوسروں کے دلوں پر اثر ڈالے اور ان کے جذبات ابھارتا ہو۔ اس اعتبار سے کمال شعروہی ہے جس میں موزونیت بھی ہو اور اثر بھی۔

**موزونیت کی تعریف** | موزوں کلام وہ ہے جس کے حرفوں کی حرکتوں اور سکونوں کی ترتیب میں ایسا نظام ہو جو ان حرکتوں اور سکونوں کی تعداد اور مقدار میں ایسا تناسب پیدا کر لے کہ اس تناسب اور نظام کے اندر اک سے نفس کو ایک خاص طرح کی لذت حاصل ہو۔ ایک بات البتہ یہ ہے کہ اصول موزونیت کے ماتحت شعر کے نئے اوزان دریافت کرنے کا امکان ہمیشہ رہے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شعر کے لیے موزونیت ضروری نہیں۔ اس سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ شاعری جذبات کی ترجمانی کرتی ہے اور انسان کے جذبات فطرتاً موزونیت اور موسیقیت کے ساتھ ظاہر ہونا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لفظوں کو نظم کی صورت میں ترتیب دینا کلام میں اثر، یعنی جذبات کو متحرک کرنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے۔  
مثل کے طور پر اگر کہا جائے:

”دنیا کے واقعات دنیا کے ساتھ ساتھ ہیں۔ جو کچھ آج ہو رہا ہے۔ یہی بارہا ہو چکا ہے۔“

تو اس کلام سے دل ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا۔ لیکن اسی بات کو شعر کی صورت میں یوں ادا کریں۔

دنیا کے ساتھ ساتھ ہیں دنیا کے واقعات

جو آج ہو رہا ہے یہی بارہا ہوا!

تو دل پر ایک خاص قسم کا اثر پڑتا ہے۔

چنانچہ تسلیم کرنا پڑے گا جب موزونیت سے کلام میں جذبات کو متحرک کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے تو ہر ایہ نظم کا فطری ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ ایک بات اور بھی ہے کہ موزونیت سے شعر کے حسن اور اثر میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شعر کے لیے موزونیت نہ کوئی رسمی چیز ہے اور نہ اتفاق، بلکہ شاعری کی حقیقت اور مقصد دونوں کا تقاضا یہی ہے کہ شعر نظم کے لباس میں ظاہر ہو۔ پس شاعرانہ خیالات کے اظہار کا فطری ذریعہ نظم ہے۔

**قافیہ اور ردیف** | ایک بات کا ذکر یہاں ضروری ہے کہ شعر کے اثر میں قافیے اور ردیف کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔ اور ان کی بدولت شاعری سحری بن جاتی ہے۔

میرنے ذیل کے دو شعروں میں ایک ہی مطلب ادا کیا ہے۔

حالت سے میرے دل کی خبر تجھ کو کیا نہ تھی  
ظالم نگاہ خشم ادھر کی، غضب کیا

خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی حالت کی  
نگاہ خشم ادھر تو نے کی قیامت کی

دونوں شعروں میں موزونیت پوری طرح موجود ہے۔ دونوں کے الفاظ اور ان کی بندش بھی بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ مگر قافیے اور ردیف کی سحرکاری نے دوسرے شعر میں حسن اور اثر پیدا کر دیا ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قافیے اور ردیف کی پابندی اظہار خیال میں غل ہوتی ہے؟ تو اس کا سیدھا سا جواب ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ محض ایک خیال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قافیہ اور ردیف شاعر کے ذہنی مشاہدے اور تفکر کی قوت کو اور ممیز کرتے ہیں۔ اگر خیال قافیے کا تابع ہوتا اور شاعر کو مضمون کے انتخاب میں کوئی دخل نہ ہوتا تو ہم زمین اشعار ہم مضمون ہوتے۔ اور ویسے بھی ہر کامیاب شاعر کا اپنا رنگ اور اپنا اسلوب ہوتا ہے۔ مشاق سخنوروں کو قطعی طور پر قافیہ ردیف کی قید سے الجھن نہیں ہوتی بلکہ وہ ان ہی سے اپنے کلام کو سجاتے اور اثر کے لیے نشتر کو تیز کرتے چلے جاتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جس طرح گزر گاہ کی تنگی دریا کی روانی میں طغیانی اور جوش میں خروش پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح وزن، قافیے اور ردیف کی قید میں شاعر کے تخیل کو رسا اور فکر کو تیز کر دیتی ہیں۔ بعض اوقات قافیے کی پابندی لازمی نہیں ہوتی۔ مگر وزن کی قید بہر حال ضروری ہے اور اسی میں ہی اہلنیک درس (بے قافیہ نظم) کا جواز مضمر ہے۔

## شاعرانہ خیال کی خصوصیتیں

یا

### شعر کی معنوی خوبیاں

۱۔ اصلیت | شعر میں خیال کی اصلیت سے مراد یہ ہے کہ جس چیز سے متعلق وہ خیال ہو اس کا وجود حقیقت میں ہو یا عقل یا اعتقاد کی رو سے ممکن ہو یا مان لیا گیا ہو۔ چنانچہ واقعات کی پابندی شاعر کے لیے ضروری ہے۔ ورنہ کلام بے اثر ہو گا۔ اگر جذبات فطرت کے خلاف ہوں گے تو کلام میں اصلیت نہ رہے گی۔ مثلاً

یاد گیسو میں جو آتا ہے کبھی ہوش مجھے  
سارا عالم نظر آتا ہے یہ پوش مجھے

فرضی باتوں سے دل پر اثر ڈالنا بھی شاعری ہے۔ مگر اصلیت میں دلکشی پیدا کرنا شاعری کی معراج ہے۔ اس لیے مبالغہ صرف وہیں تک جائز ہے جہاں تک وہ کلام کے اثر میں اضافہ کر سکے۔ ایسا مبالغہ جو امکان کی حدود سے باہر ہو اور وہم و قیاس میں بھی نہ سمائے کلام کو اصلیت سے دور اور اثر سے محروم کر دے گا۔

خمیدہ معف سے ایسا میں درد مند ہوا  
کہ سایہ پاؤں کا سر سے میرے بلند ہوا  
اس کے برعکس خیال کی اصلیت کی مثالیں دیکھئے۔

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی  
ایک مدت تک وہ کاغذ غم رہا

دل ہے مردہ خلا میں جانے سے کیا ہو جائے گا  
ہم جہاں ہوں گے وہ گھر ماتم سرا ہو جائے گا

2- خیال کی سادگی سادگی خیال کا مطلب یہ ہے کہ خیال میں پیچیدگی اور الجھاؤ نہ ہو۔ دو خاص سبب ہیں جن سے شعر الجھ کر رہ جاتا ہے۔ ایک یہ کہ شاعر شعر کی بنا کسی ایسے خیال پر رکھے جو اس کے دل میں واضح طور سے موجود نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ شاعر مطلب سے مطلب ہی نہ رکھے۔ بلکہ صنعت پیدا کرنے کے لیے الفاظ کو گور کر دھندلانا دے۔ مثلاً

الفاظ کا چناؤ  
اور گہرائی  
ایسا ہیو کے مطلب  
نہ بلجھ آئے

کہتے ہیں سوئے راہ عدم کر کے اشارہ  
دیکھو تمہیں دکھلاتے ہیں تصویر کمر کی  
اس کے برعکس سادگی خیال کی مثالیں دیکھئے۔

دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے جان پر  
دل سے دشمنوں کی عداوت کا گلہ جاتا رہا!

کہنے کو مشت پر کی اسیری تو تھی مگر  
خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

3- بلندی خیال خیال کی بلندی سے مراد یہ نہیں ہے کہ بات عجیب اور انوکھی کسی جائے۔ بلکہ خیال رکیک اور عامیانه نہ ہو۔ شریفانہ ہو اور جو جذبہ خیال میں شامل ہے اس میں حیوانیت نہ ہو بلکہ انسانیت ہو۔ مثلاً

خوشی جہاں میں بہت ہے ہمارے گھر نہ سہی  
ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم

علا خیال

4- خیال کی باریکی | اس سے مراد یہ ہے کہ خیال سطحی نہ ہو بلکہ انسانی فطرت کے گہرے مطالعے اور کائنات کے وسیع مشاہدے کا نتیجہ ہو۔ سیدھی سی بات کو پیچ دے کر بیان کرنا کوئی دور از کار استعارہ در استعارہ استعمال کرنا۔ خلاف قیاس مبالغے سے کام لیتا خیال کی باریکی نہیں طرز ادا کی پیچیدگی ہے جو شعر کا حسن نہیں عیب ہے۔ باریکی خیال کی مثالیں دیکھئے:

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی  
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

(غالب)

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی  
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا؟

(مومن)

5- تڑپ | اس سے مراد یہ ہے کہ خیال کے ساتھ جذبات بھی شامل ہوں۔ یہ صفت اگر خیال میں موجود نہ ہو گی تو باوجود تمام خوبیوں کے شعر ایک پیکر بے جان و روح یا ایک گل بے رنگ و بو رہے گا۔ خیال کتنا ہی سچا، سادہ، بلند اور باریک کیوں نہ ہو لیکن اگر اس میں تڑپ نہیں تو شاعرانہ خیال نہ ہو گا۔ شعر میں تڑپ کی مثالیں دیکھئے۔

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا  
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

(میر)

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھیں میں تو دم ہے  
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

(غالب)

# شاعرانہ بیان کی خصوصیتیں

یا

## شعر کی لفظی خوبیاں

(1)

۱۔ بیان کی سادگی | یعنی مطلب اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کو سمجھنے میں وقت نہ ہو۔ سادگی کا انحصار کئی چیزوں پر ہے۔

الف۔ سلاست | مشکل الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے۔ وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جن سے زبان مانوس اور کھل آتا ہو۔ اسی کا نام سلاست ہے۔ اور جب یہ صفت کمال کو پہنچ جائے تو اسے سل ممتنع کہتے ہیں۔  
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

آگے آتی تھی حال دل پہ نہی  
اب کسی بات پر نہیں آتی!

ب۔ تعقید لفظی | لفظوں کی ترتیب قواعد زبان اور اصول بیان کے مطابق ہو یعنی اگر نثر کریں تو بھی وہی الفاظ ہوں گے۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں!  
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

ج۔ تعقید معنوی | مضمون کا کوئی ایسا جزو چھوٹ نہ جائے جو مطلب کے سمجھنے میں دقت پیدا نہ کر دے۔

مجھ تک کب اس کی بزم میں آتا تھا دور جام  
ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا میری جو شامت آئی  
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسوں کے لیے

د۔ تشبیہ، استعارہ | کلام میں ایسی تشبیہیں اور استعارے نہ لائے جائیں جن تک ذہن کی رسائی مشکل ہو۔

میری تعمیر میں مضمحل ہے اک سورت خرابی کی  
ہیولی برق خرمن کا ہے، خون گرم دھقان کا

۱- تلخیص شعر میں کسی غیر مشہور بات کی طرف اشارہ نہ کیا جائے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا  
کانغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا  
بیسویں صدی کے لوگ کانغذی پیرہن کو کیا جانیں۔ ایسی غیر معروف چیز کے ذکر سے یہ شعر سادگی کے  
درجے سے گر گیا ہے۔

2- اختصار یعنی کم سے کم لفظوں میں مطلب ادا کیا جائے اور ضرورت سے زیادہ بات کو طول نہ دیا جائے۔ ہاں  
اگر طول مناسب مقام ہو اور طول فضول نہ ہو تو وہ اختصار کے منافی نہیں۔ اختصار کی مثالیں دیکھئے۔

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو دیر سے انتظار ہے اپنا  
جو اس شور سے میرا روتا رہے گا تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

3- زور کلام کے زور سے مراد یہ نہیں کہ بہت دقیق لغات یا بہت شاندار الفاظ استعمال کیے جائیں بلکہ اس  
طرح مطلب ادا کیا جائے کہ جس طرح شاعر کیفیت دکھانا چاہتا ہے۔ اس کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔ ذیل کا  
شعر زور کلام کی عمدہ مثال ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے  
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

4- مناسب الفاظ اس کی دو صورتیں ہیں ایک لفظ کی مناسبت خیال سے، دوسری لفظ کی مناسبت لفظ سے۔  
پہلی صورت بلاغت کلام میں داخل ہے۔ دوسری صورت فصاحت کلام میں۔ پہلی صورت کی پھر دو حیثیتیں ہیں  
ایک مناسبت آواز کے اعتبار سے اور دوسری مناسبت معنی کے اعتبار سے۔

الف۔ لفظ کی مناسبت خیال سے (بہ اعتبار آواز) ہر لفظ کی اپنی آواز ہے۔ اس لیے جیسی بات کہنا ہو  
وہی لفظ لانا چاہئیں۔ محبت کا اقرار نرم لفظوں میں اور غصے کا اظہار سخت لفظوں میں۔

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا  
تمہیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا

ب۔ بہ اعتبار معنی مناسب الفاظ پر صرف اثر کی کمی و زیادتی کا انحصار نہیں ہے، بلکہ اثر کی نوعیت بھی زیادہ  
تر اس پر منحصر ہے۔ ایک ہی بات کو ایک طرح پر کہیے۔ اس میں رکاوٹ و اجتہال ہو گا۔ اس کو دوسری طرح بیان  
کیجئے۔ اس میں سنجیدگی و متانت آجائے گی۔ دو اشعار سے فرق دیکھئے۔

اوا جان لیتی ہے جانی تمہاری ستم ڈھا رہی ہے جوانی تمہاری  
 ہر اوا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی  
 اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

ج۔ لفظ کی مناسبت لفظ سے | مناسبت الفاظ کی صورت میں کئی باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ایسے لفظ جمع کیے جائیں جن کو اوا کرنے میں زبان نہ رکھتی ہو۔ اسے صفائی اور روانی کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ لفظوں کی آواز انفرادی اور مجموعی حیثیت سے کاتوں کو ناگوار نہ ہو شعر میں روانی اور ترنم پیدا کرنے کے لیے مناسبت الفاظ کا انتخاب ضروری ہے۔

مثلاً:-

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں ایک مدت سے وہ مزاج نہیں  
 تمام لوں دل کو ذرا ہاتھوں سے ابھی پہلو سے نہ اٹھ جائے گا  
 مناسبت الفاظ کے سلسلے میں ملازمہ اور مراعات النظیر کے فرق کو بھی ملحوظ رکھا جائے اسی طرح ترجمہ کرتے وقت بھی اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ شعر کے الفاظ کو بدلنا اس کی ہستی کو مٹاتا ہے۔ میر اور غالب کے کئی شعر بطور مثل پیش کیے جاسکتے ہیں۔

و۔ جدت | بات کسی نئے انداز سے کہی جائے۔ یہ مطلب کسی نئے انداز سے اوا کیا جائے اکثر تشبیہ اور استعارہ اور کنایہ بھی کلام کا زیور، اثر کا جلوہ اور جدت کی جان ہوتے ہیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ سیدھی سادھی عبارت میں بالکل روکھی پھکی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اگر استعارہ اور تشبیہ وغیرہ سے مدد لی جائے تو وہی باتیں تیر و نشر کا کام دیتی ہیں۔ ان کے استعمال سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تھوڑے سے لفظ بہت سا مطلب اوا کرتے ہیں۔ طرز اوا کی جدت سے تشبیہ اور استعارہ کی ندرت سے کلام کے اثر کو بہت تقویت پہنچتی ہے۔ مثلاً

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا  
 ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ غلج  
 شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

صنعتیں اور ان کا حسن استعمال

(1)

صنعتیں کلام کے لیے زیور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کلام میں کوئی ایسا التزام کرنا جو لوئے مطلب کے لیے

## جز و دوئم (الف)

لفظ معصوم و غیر معصوم میں فرق ہو۔ خلوت و جلوت

## مقدمہ شعر و شاعری

مولانا الطاف حسین حالی

30 نمبر

☆ یہ حصہ پنجاب یونیورسٹی کے جدید نصاب میں شامل نہیں ہے۔

ضروری نہ ہو مگر تین کلام کا قاعدہ دے اصطلاح میں صنعت کہلاتا ہے۔ اکثر استعمال ہونے والی صنعتوں کے نام رکھ دیے گئے ہیں۔ مگر نئی صنعتیں بھی ایجاد کی جاسکتی ہیں۔ صنعتوں کے استعمال کے متعلق چند اصولی باتیں پیش ہیں۔

1- بعض صنعتیں جن کو کلام کے حسن میں دخل نہیں ہے یہ ہیں

فشار، بھونچ، اٹھار، المہر، بجیس، قلب وغیرہ۔

2- زیادہ تر صنعتیں صرف تین کلام کے کام آتی ہیں

بعض صنعتوں سے کلام میں شوخی پیدا ہوتی ہے مثلاً ایہام اور بعض کلام کی شعریت میں اضافہ کرتی ہیں مثلاً

مبالغہ، حسن، تغلیل۔

آخری قسم کی صنعتوں سے کلام لہجہ زدور شاعرانہ تخیل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ان کا استعمال بجائے خوبصورتی پر

شاعری ہے۔ جن صنعتوں کا تعلق صرف الفاظ کی تحریری صورت سے ہے۔ ان کو چونکہ کلام سے کوئی لفظی یا تصویری

معنوی علاقہ نہیں ہوتا۔ اس لیے جب تک کوئی بتانے والا نہ بتادے یا کوئی اشارہ ان کا پتہ نہ دے اس وقت تک

ان کی موجودگی کا علم ہو جاتا ایک اتفاقی امر ہوتا ہے۔ جو صنعتیں حقیقت میں شاعری اور انشا پر بازی کے کوئی تعلق

نہیں رکھتیں ان سے کلام میں حسن تو آتی نہیں مگر البتہ فصیح، تہواری اور بے ربطی جیسے کئی عیب پیدا ہو

سکتے ہیں۔ اس لیے صنعتوں کے استعمال کا انتہائی مکمل یہ ہے کہ کلام میں کوئی نقص پیدا نہ ہونے پائے۔ جو شخص

اس طرح کا مکمل رکھتا ہے وہ شاعر نہیں بلکہ بازی گر اور شعبدہ باز ہوتا ہے۔ اس لیے کہ صنعتوں کے استعمال کا مکمل

اور چتر ہے اور شاعرانہ حسن بیان کی قدرت اور چتر ہے۔

3- صنعتوں کے استعمال کے لیے

صنعتوں کے استعمال کے لیے ایک خاص سلیقے کی ضرورت ہوتی ہے۔

صنعتیں بذات خود کلام کا مقصد نہیں ہیں۔ ان کے استعمال کی غرض کلام کی تزئین ہے۔ اس لیے ان کے استعمال

میں اتنی باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ صنعت سے کلام میں حیثیتا کوئی حسن پیدا ہو۔ فصاحت کی شرائط اور

بلاغت کے لوازم میں فرق نہ پڑے۔ ٹکلف اور فصیح ظاہر نہ ہو۔ ذہن کسی غیر متعلق یا خلاف محل مفہوم کی طرف

تغفل نہ ہونے پائے۔ اور صنعت اتنی نمایاں نہ ہو جائے کہ ذہن کو معنی سے ہٹا کر اپنی طرف مھنج لے۔ کلام کا

حسن پورحالے میں معنوی صنعتیں لفظی صنعتوں سے کہیں زیادہ کام کرتی ہیں۔ اس لیے شاعر کو زیادہ تر ان ہی سے

کام لینا چاہیے۔

تو تعلق ہے۔ ایسے الفاظ  
کمزور مصرعے یا شعر  
کے لیے قروض تو جمع  
کرنے سے کوئی کام آیا  
عبارت بن جائے۔  
شخص طلب ہے۔  
بجیس کی ایک قسم  
جن میں منہا لسن الفاظ  
کے لفظ اللہ سے معنی  
لیا جاتا ہے۔